دل کی بات　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مدیر

اٹھارہویں آئینی ترمیم: خدشات اور تقاضے

پاکستان کی آئینی و دستوری تاریخ سبق آموز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ ملک بنا تو اُس کو چلانے کے لیے اپنا کوئی دستور نہ تھا۔ پھر پہلی دستور ساز اسمبلی بنی تو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کی مخلصانہ جدوجہد سے ’’قراردادِ مقاصد‘‘ منظور ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے اغراض و مقاصد اور نصب العین دستوری طور پر طے ہوئے اور وطن عزیز نے اپنا آئینی و دستوری سفر شروع کیا۔ دستور ہی ریاست کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس پر عمل داری سے نہ صرف ریاست کی شناخت باقی رہتی ہے بلکہ قیام کا جواز بھی برقرار رہتا ہے۔ ترقی کے در وا ہوتے ہیں اور ملک مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ حکمرانوں نے ملک کے اغراض و مقاصد کو نظر انداز کر کے ذاتی اغراض کی تکمیل اور مفادات کے تحفظ کے لیے دستور کو تختۂ مشق بنایا اور من پسند ترامیم کے ذریعے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر اس کی واضح مثالیں ہیں۔ سکندر مرزا، ایوب خان اور یحییٰ خان جیسے فوجی آمروں کے ہاتھوں آئین ٹوٹتے، بنتے اور معطل ہوتے رہے۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد ۱۹۷۳ء میں سرزمینِ بے آئین کو ایک متفقہ آئین ملا۔ اس آئین کو مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ’’اسلامی نظریاتی کونسل‘‘ تشکیل دی گئی۔ یہ ایک آئینی ادارہ تھا اور پارلیمنٹ کو آئین میں پابند کیا گیا تھا کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں آئین کو اسلام کے قالب میں ڈھال دے۔ لیکن جب عوامی حکومت نے آئین پر ہی عمل نہ کیا تو بے چاری نظریاتی کونسل اور اس کی سفارشات بھی بے اثر ہو کر رہ گئیں۔ ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق تشریف لے آئے۔ گیارہ سال نفاذِ اسلام کا نعرہ لگایا مگر اسلام نافذ نہ ہوا۔ نواز شریف اور بے نظیر کے ادوارِ حکومت میں بھی وہی ذاتی اغراض و مفادات کے حصول کی جنگ زرگری جاری رہی۔ جنرل پرویز مشرف آئے تو انھوں نے بھی وہی آموختہ دہرایا بلکہ آئین شکنی اور امریکی غلامی کی تمام حدوں کو پار کر گئے۔

آئین میں ترمیم و اضافہ کا عمل یقیناً ایک ضرورت ہے۔ اگر ملکی و قومی مفادات کے حصول و تحفظ کے لیے ہو تو ترقی و استحکام کا ضامن اور اگر ذاتی اغراض و مفادات کے لیے ہو تو ہلاکت و بربادی کا ذریعہ۔ اس وقت آئینی اصلاحات کی خصوصی کمیٹی نے اٹھارہویں ترمیم کا مسودہ سپیکر قومی اسمبلی کو پیش کر دیا ہے۔ قوی امکان ہے کہ اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا جائے گا۔

آئینی اصلاحات کی تیاری کے اس موقع پر عالمی استعمار اور اس کی ایجنٹ لابیاں حسبِ سابق سرگرم ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے اصل آئین کی بحالی کی آڑ میں آئین میں موجود اسلامی دفعات ختم کرنے یا انھیں غیر مؤثر کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ خصوصاً ۱۹۷۴ء میں بھٹو کے دور میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی آئینی ترمیم، ۱۹۸۴ء کا قانونِ امتناعِ قادیانیت اور قانونِ توہینِ رسالت کے حوالے سے عالمی استعمار کے دیسی گماشتے اچھل کود کر رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں وفاقی وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی سے قادیانیوں کے وفد کی ملاقات بھی محلِ نظر ہے۔ وزیر مذہبی امور کے بقول ''یہ ملاقات نو ماہ قبل ہوئی اور اس میں تحفظِ ختم نبوت کا ایشو زیرِ بحث نہیں تھا۔'' سوال یہ ہے کہ:

(۱)　انھوں نے اس ملاقات کو نو مہینے کیوں خفیہ رکھا؟

(۲)　اگر تحفظ ختم نبوت کے قوانین زیر بحث نہیں آئے تو پھر اور کونسا ایشو تھا؟

جناب حامد سعید کاظمی کو اُسی وقت واضح کرنا چاہیے تھا۔ اپنی وزارت کی طرف سے اس ملاقات کی تفصیل ریکارڈ پر لانی چاہیے تھی۔ انھوں نے اس ملاقات کو چھپا کر خود اپنی حیثیت کو مشکوک اور متنازعہ بنالیا ہے۔ انھیں فی الفور قادیانی وفد سے ملاقات کی تفصیل قوم کے سامنے لانی چاہیے۔

۱۹۷۳ء کا آئین اپنی اصل حالت میں ضرور بحال ہونا چاہیے۔ کسی بھی شخص کو لامحدود اختیارات حاصل نہیں ہونے چاہئیں۔ ملکی سلامتی، خود مختاری، پارلیمنٹ کی بالادستی، عدلیہ کی آزادی اور آئین کی عملداری سب درست ہے مگر ہم انتباہ کرتے ہیں کہ اس کی آڑ میں اگر اسلامی قوانین کو چھیڑا گیا تو ایسا طوفان اٹھے گا کہ کچھ باقی نہ رہے گا اور یہ اللہ کا عذاب ہوگا۔ اسلامی دفعات ملک کی نظریاتی شناخت اور جغرافیائی تحفظ کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان کو ختم یا غیر مؤثر کرنا عالمِ کفر اور امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے مترادف ہے۔

ہمیں امید ہے کہ حکمران اپنے ہوش و حواس برقرار رکھتے ہوئے قیامِ پاکستان کے مقاصد سے انحراف نہیں کریں گے اور آئین کو اسلامی بنانے کے لیے اپنا مثبت کردار ادا کریں گے۔

☆☆☆